ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی

# تفسیر ''مفتاح القرآن'' کا ایک علمی مطالعہ

(۴)

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

## تحویل قبلہ کی بحث

مسلمانوں میں عام پھیلی ہوئی بات یہ ہے کہ بیت المقدس قبلۂ اول رہا ہے اور تحویل قبلہ کے بعد کعبہ کو مستقل قبلہ بنایا گیا، مگر صاحب ''مفتاح القرآن'' کے نزدیک تحویل قبلہ والی روایات کم زور ہیں اور تحویل قبلہ ہوا ہی نہیں، بلکہ کعبۃ اللہ ہی ہمیشہ قبلہ رہا ہے۔ ان کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ تحویل قبلہ کی روایات حضرت براء بن عازب سے مروی ہیں جو سب روایت ودرایت کے اعتبار سے کم زور ہیں۔[۳۶]

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ یا مدینہ، دونوں جگہ ہمیشہ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے ہی نماز پڑھی ہے۔ بعض انصاری صحابہ نے، البتہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ضرور پڑھی ہے، اور اسی وجہ سے یہ تحویل قبلہ والی بات مشہور ہو گئی ہے۔

۳۔ بیت المقدس تو خود کعبہ رخ ہے، اسی طرح قدیم مسجدیں —— مسجد صخرہ، مسجد نوح اور مسجد صالح

---

۳۶؎ واضح رہے کہ تفسیر میں انھوں نے تمام روایات کا ایک ایک کر کے جائزہ لیا ہے۔

—— سب قبلہ رخ ہیں، پھر بیت المقدس کو قبلۂ اول کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

۴۔ ’فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰىهَا‘ (البقرہ۲: ۱۴۴) کا عام ترجمہ کہ ہم تمھارا رخ تمھارے پسندیدہ قبلہ کی طرف پھیر دیں گے، غلط ہے، کیونکہ ’وَلّٰی یولّی تولیة‘ بغیر صلہ کے استعمال ہو تو اس کا معنی والی بنانا ہوتا ہے، پھیرنے کے معنی میں اس کا استعمال ’الی‘ کے صلہ کے ساتھ کرتے ہیں۔ اس لیے صحیح ترجمہ ہوگا: ہم تم کو تمھارے پسندیدہ قبلہ کا والی بنا دیں گے۔ اسی طرح ’قَدۡ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِى السَّمَآءِ‘ (البقرہ۲: ۱۴۴) کا ترجمہ یہ کرنا کہ ”ہم آپ کا بار بار آسمان کی طرح رخ کرنا دیکھ رہے ہیں“ اس لیے صحیح نہیں کہ یہ ’تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِى السَّمَآءِ‘ کا ترجمہ ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے ”ہم آسمان میں آپ کی بے چینی کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ یعنی تقلبِ وجہ کنایہ ہے بے چینی واضطراب سے۔

۵۔ قدیم مفسرین و علما میں ابو مسلم اصفہانی اور امام ابو العالیہ ریاحی بھی اسی کے قائل تھے کہ قبلہ ہمیشہ کعبۃ اللہ رہا ہے۔

۶۔ تحویل قبلہ ہوا ہوتا تو اس کے بعد مسجد نبوی اور مسجد قبا میں تعمیری تغیرات کیے جاتے جو ضرور منقول ہوتے، کیونکہ مسجد نبوی کے تمام تعمیری تغیرات تواتر سے منقول ہوتے آرہے ہیں۔ تحویل قبلہ کی یہ بحث تفسیر میں تقریباً ۲۰ صفحات میں آئی ہے اور اہل علم کے مطالعہ کے لائق ہے۔[۳۷]

## منفرد ترجمۂ آیات

متعدد آیات کے ترجمہ میں بھی مفسر گرامی نے الگ ہی راہ اپنائی ہے۔ مثال کے طور پر ’لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا‘ (المائدہ۵: ۴۸) کا ترجمہ یوں کیا ہے: (اے لوگو) تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک ہی گھاٹ اور ایک ہی سڑک کا تقرر کر دیا ہے۔[۳۸] دوسرے مفسرین و علما یہ کہتے ہیں کہ اس میں ہر قوم کے لیے الگ مذہب وطریقہ کا بیان ہے۔ جو ظاہر ہے کہ نصوص شریعت سے متصادم ہے۔ اسی طرح اور بہت ساری آیات ہیں، جن کا ترجمہ مصنف علام نے دوسرے مترجمین و مفسرین سے الگ کیا ہے۔

## قرآن پورا محکم ہے متشابہ گذشتہ کتابیں ہیں

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ قرآن میں دو قسم کی آیتیں ہیں: محکم و متشابہ۔ پھر محکم و متشابہ کی الگ الگ تشریح

---

۳۷؎ ملاحظہ ہو: مفتاح القرآن ۱/ ۲۹۳-۳۰۸، طبع ثانی۔

۳۸؎ مراد ہے قرآن و سنت، مصنف مقالہ۔

کی جاتی ہے اور اس بارے میں مبنیٰ سورۂ آل عمران (۳) کی ساتویں آیت 'هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ' کو بنایا جاتا ہے، مگر علامہ میرٹھی اس عمومی رائے سے اتفاق نہیں کرتے؛ وہ کہتے ہیں کہ قرآن تو پورا محکم ہے، جیسا کہ خود قرآن ہی میں کئی جگہ فرمایا گیا ہے، مثلاً ایک جگہ ہے: 'كِتٰبٌ اُحۡكِمَتۡ اٰیٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَكِیۡمٍ خَبِیۡرٍ' (ہود ۱۱: ۱): الف لام را ایک حکمت والی باخبر ہستی کے پاس سے آئی ہوئی کتاب جس کی آیتوں کو پختہ کیا گیا ہے، پھر الگ الگ (سلسلۂ بیان میں) ٹانکا گیا ہے۔ جب اس کی آیات محکم ہیں تو پھر متشابہ کا سوال کہاں اٹھتا ہے۔ اس لیے ان کی رائے یہ ہے کہ قرآن کریم تو پورا محکم ہے، بقیہ صحف سماویہ متشابہ ہیں۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت 'هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ، وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ' کا ترجمہ وہ یوں کرتے ہیں: وہی ہے جس نے (اے نبی) تجھ پر اپنی طرف سے کتاب نازل فرمائی ہے، وہ محکم آیتیں ہیں جو خدائی کتابوں کی جامع و مرکز ہیں اور دیگر کتابیں، یعنی بائبل کے صحیفے حق و باطل آمیز ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق 'هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ' پر وقف کرنا چاہیے اور 'وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ' کو الگ فقرہ کی طرح پڑھا جانا چاہیے۔[۳۹]

## تورات و انجیل تاریخی طور پر معتبر نہیں

سورۂ آل عمران میں 'وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ' کی تفسیر میں تورات و انجیل، دونوں کی استنادی حیثیت پر طویل گفتگو خود بائبل اور "انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا" کے حوالہ سے کی ہے۔[۴۰]

## 'هٰذَا رَبِّیۡ هٰذَاۤ اَكۡبَرُ' کی صحیح تفسیر

سورۂ انعام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں اس سلسلۂ آیات میں کئی جگہ 'هٰذَا رَبِّیۡ' آیا ہے، جس کو عام طور پر مفسرین حضرت ابراہیم کا قول مان لیتے ہیں اور اس پر ہونے والے اعتراض کہ ایسا شرکیہ جملہ کسی نبی سے کیسے صادر ہو سکتا ہے، کی دور از کار تاویلیں کرتے ہیں۔ مولانا مودودی نے اس بات کو حضرت ابراہیم کا اس وقت کا قول بتا دیا ہے جب وہ تلاش حق کے دور سے گزر رہے تھے، مگر سوال یہ ہے کہ کیا انبیا اس دور سے

---

۳۹۔ ملاحظہ ہو: مفتاح القرآن ۱/ ۵۸۹، طبع ثانی۔

۴۰۔ ملاحظہ ہو: مفتاح القرآن ۱/ ۵۹۰، طبع ثانی۔

گزرا کرتے ہیں؟ ان کو تو زندگی کے ہر دور میں حق تعالیٰ کی نگرانی و معیت حاصل رہتی ہے، اگرچہ خود ان کو اس کا شعور نہ ہوتا ہو۔ علامہ میرٹھی نے اس کی تفسیر یوں کی ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيۡهِ الَّيۡلُ رَاٰ كَوۡكَبًا‌ ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ‌ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الۡاٰفِلِيۡنَ‏. فَلَمَّا رَاَ الۡقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ‌ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَٮِٕنۡ لَّمۡ يَهۡدِنِىۡ رَبِّىۡ لَاَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡقَوۡمِ الضَّآلِّيۡنَ‏. فَلَمَّا رَاَ الشَّمۡسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ هٰذَاۤ اَكۡبَرُ‌ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتۡ قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ. (الانعام ۶: ۷۶-۷۸)

’’پس جب اس پر رات چھا گئی تو اس نے، یعنی آذر نے آسمان پر ایک ستارہ دیکھا، بولا: یہ میرا رب ہے پس جب وہ چھپ گیا تو ابراہیم نے کہا: میں چھپ جانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ پس جب آذر نے چاند کو روشن دیکھا تو بولا: یہ میرا رب ہے میں اس کی عبادت کرتا ہوں، جب وہ چھپ گیا تو ابراہیم نے کہا: میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میرا رب مجھے راہ راست نہ دکھائے تو یقیناً میں گم راہ لوگوں میں سے ہو جاؤں گا‘‘ اس کے بعد جب آذر نے سورج کو چمکتا دمکتا دیکھا بولا: یہ میرا رب ہے یہ (میرا سب سے) بڑا معبود ہے۔ پس جب وہ چھپ گیا تو ابراہیم نے کہا: اے میری قوم، بے شک میں تمھارے شرک سے بے زار ہوں (ان چیزوں سے بے زار ہوں جنھیں تم شریک کر رہے ہو۔‘‘

اس کے بعد لکھتے ہیں:

’’ان آیات میں فعل ’رأ‘ کا فاعل اور ’ھذا ربی‘ کا قائل حضرت ابراہیم کا باپ آذر ہے جیسا کہ میں نے ترجمہ میں واضح کر دیا ہے، کیونکہ ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آذر کا مکالمہ نقل کیا گیا ہے۔ اور بادنیٰ تامل ہر قول اپنے قائل کی طرف راجع ہو جاتا ہے۔‘‘

اس کے بعد انھوں نے اس کے نظائر قرآن سے نقل کیے ہیں۔ اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ باپ بیٹے کے درمیان یہ بلیغ مکالمہ اور ڈائیلاگ مختلف اوقات میں اور مختلف جگہوں پر ہوا ہو گا، قیاس کہتا ہے کہ یہ گفتگو زہرہ دیوی، چندرما دیوتا اور سورج دیوتا کے مندروں میں ہوئی ہو گی جن کو ابراہیم کی قوم پوجتی تھی۔[۱۲]

---

[۱۲] ملاحظہ ہو: مفتاح القرآن ۱/ ۳۹۳، طبع ثانی۔

## واقعۂ افک

واقعۂ افک کے سلسلہ میں مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت عائشہ پر الزام کا شوشا روافض کا چھوڑا ہوا ہے، ورنہ منافقین نے تو دراصل تمام مومن عورتوں سے متعلق اسکینڈل پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ آیات کی داخلی شہادت بھی یہی ہے۔ اور جتنی روایات اس سلسلہ میں آئی ہیں (بشمول بخاری کی روایات کے) کوئی بھی علت قادحہ سے خالی نہیں۔ بخاری کی روایات میں متعدد باتیں زہری کی مرسلات میں سے ہیں، جن کی اہل علم کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں، کیونکہ ان کا کہنا ہے: 'مرسلات الزهری شبه کا الریح' (زہری کی مرسل روایتیں ہوائی ہوتی ہیں، تہذیب التہذیب) پھر تاریخی طور پر بھی ان روایات میں سقم پایا جاتا ہے۔[۴۲]

خاک سار مقالہ نگار کا خیال یہ ہے کہ روایات بے شک ضعیف و کم زور ہو سکتی ہیں، مگر خود سورۂ نور کی ابتدائی آیات خاص کر آیت ۱۳ 'لَوۡلَا جَآءُوۡ عَلَيۡهِ بِاَرۡبَعَةِ شُهَدَآءَ' کا اشارۃ النص یہ بتاتا ہے کہ اس طرح کا کوئی بڑا واقعہ ہوا تھا، جس کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے، کیونکہ کسی عمومی اسکینڈل اور پروپیگنڈے پر چار گواہوں کی طلبی کے کوئی معنی نہیں۔ والعلم عند الله۔

## صحف سماوی کا مطالعہ

مفسر گرامی نے دیگر صحف سماویہ بائیبل و توریت کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا اور اپنی تفسیر میں جا بجا ان کے حوالے بھی دیے ہیں۔ سلیمان و داؤد علیہما السلام کے قرآنی قصہ کا تقابل بائیبل کے بیانات سے کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حضرت داؤد و سلیمان علیہ السلام اللہ کے نیک و مقبول بندے اور نبی تھے اور ساتھ ہی بڑی شان و شوکت والے بادشاہ بھی۔ اور ان کی بادشاہی تمام حکمرانوں کے لیے اعلیٰ نمونہ ہے، اللہ کی دی ہوئی قوت کو انھوں نے دین حق کی ترویج و تبلیغ میں ہی صرف کیا تھا، مگر داؤد و سلیمان کا ذکر اسرائیلی کتابوں میں پڑھیے تو ان میں اور دنیا کے دیگر جباروں میں کوئی فرق نظر نہ آئے گا۔ ملکۂ سبا کا حضرت سلیمان سے ملاقات کے لیے آنا اسرائیلی کتابوں میں بھی مذکور ہے، مگر اس میں غلط اور گندی باتوں کی آمیزش ہے۔ بائیبل کے صحیفہ سلاطین

---

۴۲؎ واقعۂ افک کی پوری تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر مفتاح القرآن سورۂ نور ۵/۴۔ اس مسئلہ پر پاکستان کے حکیم نیاز احمد نے علامہ کی تحقیق سے استفادہ کر کے ایک ضخیم کتاب لکھی تھی، اگرچہ اپنے ماخذ کا حوالہ انھوں نے نہیں دیا۔

میں یہ قصہ جس طرح لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ سلیمان کی شہرت سن کر مشکل سوالوں سے اسے آزمانے کے لیے آئی۔ سب سوالوں کا جواب باصواب پا کر اور سلیمان کی شان و شوکت ان کے خدام کی تہذیب اور سج دھج دیکھ کر دنگ رہ گئی اور اعتراف کیا کہ میں نے آپ کو جیسا سنا تھا اس سے کہیں بڑھ کر پایا۔ نیز اس نے سلیمان کو ایک سو بیس قنطار سونا، اور الائچی وغیرہ بہت بڑی مقدار میں نذر کیا۔ سلیمان نے بھی جواباً اسے بہت کچھ تحائف سے نوازا۔ پھر وہ اپنے ملازمین سمیت اپنی مملکت کو واپس ہو گئی۔'' (سلاطین باب ۱۰)

اس میں نہ ہدہد کا ذکر ہے، نہ ملکہ کی آفتاب پرستی کا، نہ حضرت سلیمان کے خط کا اور نہ ملکہ کے تخت کا۔ اور صحیفۂ ربیون میں یہ سب باتیں تو ہیں، لیکن اس میں توحید و خدا پرستی و شکر حق کی کوئی بات مذکور نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ سلیمان نے معاذ اللہ ملکۂ بلقیس سے زنا کیا، اسے حمل رہ گیا۔ اس ناجائز حمل کی نسل سے بابل کا بادشاہ بخت نصر پیدا ہوا تھا (جیوش انسائیکلوپیڈیا ۱۱/۴۴۳)۔ اسی کتاب کے صفحہ ۴۳۹-۴۴۱ میں حضرت سلیمان پر احکام تورات کی خلاف ورزی، غرور حکومت، غرور عقل، زن مریدی، عیاشی اور شرک و بت پرستی کے الزامات مذکور ہیں۔ اور بائیبل کی کتاب سلاطین میں لکھا ہے کہ ''سلیمان مشرک عورتوں کے عشق میں گم ہو گیا، اس کا دل خدا سے پھر گیا تھا اور وہ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کی طرف مائل ہو گیا''۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعے سے حضرت داؤد و حضرت سلیمان علیہما السلام کی پاکیزہ سیرت منظر عام پر رکھ دی ہے اور تمام دھبوں کو دھو ڈالا ہے، جو دروغ باف یہودیوں نے ان بزرگوں کی سیرت پر لگائے تھے۔[۴۳]

اس کے علاوہ بھی مفسر گرامی نے اپنی تفسیر میں بائیبل اور قرآن کے بیانات کا جگہ جگہ تقابل کیا ہے۔ مثال کے طور پر قصۂ نوح کا بائیبل کے بیانات سے تقابلی مطالعہ ملاحظہ ہو:

''مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بائیبل عہد نامۂ قدیم کے سفر تکوین، یعنی کتاب پیدایش میں یہ قصہ جس طرح آیا ہے ناظرین اسے بھی دیکھ لیں، میں اس کا خلاصہ نقل کر رہا ہوں: روے زمین پر آدمیوں کی کثرت ہوئی اور ان سے بیٹیاں پیدا ہوئیں، خدا کے بیٹوں نے انھیں دیکھا تو ان پر فریفتہ ہو کر انھیں اپنی جورو بنا لیا ان سے بیٹے پیدا ہوئے۔ یہ بڑے جبار و نامور اشخاص ہوئے، ان میں بدی بہت پھیل گئی تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دل گیر ہوا اور اسے مٹانے کا پختہ ارادہ کر لیا بجز نوح کے، وہ خدا کو پسند تھا۔''

---

۴۳۔ علامہ میرٹھی، تفسیر مفتاح القرآن، جلد چہارم، سورۂ نمل آیات ۱۵ تا ۴۴ کی تشریح۔

اس پر ان کا نوٹ ہے:

”دیکھا آپ نے اس بیان کے مطابق قوم نوح کے لوگ انسان نہ تھے، خدا کے بیٹوں اور انسانوں کی بیٹیوں سے پیدا ہوئے تھے۔[۴۴] الخ یہ تقابلی نوٹ کافی طویل ہے اور چار صفحات تک چلا گیا ہے۔“

## قصۂ یونس

یونس علیہ السلام کے قصہ میں عام طور پر مشہور ہے کہ وہ مدتوں اپنی قوم کو دعوت حق دیتے رہے اور قوم کی سرکشی اور ایمان نہ لانے سے ناراض ہو کر ان کو عذاب کی دھمکی دے کر اور بغیر اذن خداوندی کے ان کے ہاں سے نکل گئے اور ان کے غائبانہ میں قوم پر عذاب آیا، جسے دیکھ کر قوم تائب ہو گئی۔ ادھر حضرت یونس جس کشتی میں سوار ہوئے، وہ نہ چلی اور ڈبکیاں کھانے لگی۔ لوگوں نے کہا کہ کوئی غلام اس پر اپنے آقا سے بھاگ کر آ گیا ہے، اس لیے یہ نہیں چل رہی ہے۔ آخر یونس کو کشتی والوں نے دریا میں ڈال دیا اور حکم حق سے مچھلی آپ کو نگل گئی۔ جب مچھلی نے بحکم حق آپ کو کنارہ پر ڈال دیا تو صحت یاب ہو کر وطن واپس آئے اور قوم نے محبت و عقیدت سے استقبال کیا وغیرہ۔ علامہ میرٹھی اس قصہ کو غلط سمجھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ حضرت یونس کے نبی بنائے جانے سے پہلے کا یہ قصہ ہے کہ وہ کسی بات پر ناراض ہو کر اپنا وطن چھوڑ کر نکل گئے ہوں گے۔ اور کشتی میں بیٹھے ہوں گے، جو زیادہ بوجھ ہو جانے کی وجہ سے ڈبکیاں کھانے لگی ہو گی اور حضرت یونس کا پیر پھسلا ہو گا اور وہ دریا میں جا گرے ہوں گے۔ جہاں ان کو مچھلی نے اللہ کے حکم سے نگل لیا۔ اور اس کے بعد جب مچھلی نے ان کو کنارے پر ڈالا، جہاں وہ کچھ دنوں بعد صحت مند ہوئے ہوں گے تب ان کو نبی بنا کر قوم کے پاس بھیجا گیا ہے، کیونکہ اسی سیاق میں قرآن نے کہا ہے: ’وَاَرۡسَلۡنٰهُ اِلٰی مِائَةِ اَلۡفٍ اَوۡ یَزِیۡدُوۡنَ‘ اور ہم نے ان کو ایک لاکھ سے زاید لوگوں کی طرف بھیجا (الصافات ۳۷: ۱۴۷)۔ یعنی مچھلی والی آزمایش سے گزرنے کے بعد۔ مشہور عام قصہ پر نقد کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

”لیکن حضرت یونس کا قصہ اس انداز میں نہ قرآن میں مذکور ہے نہ کسی صحیح حدیث میں نہ بائبل میں۔

اور میں اسے بچند وجوہ غلط سمجھتا ہوں، اس لیے کہ:

۱۔ کسی نبی کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ اس نے اللہ کے حکم کے بغیر قوم کو کوئی بات بتائی ہو۔

---

۴۴۔ علامہ میرٹھی، تفسیر مفتاح القرآن ۳/ ۱۱۹۔

ب۔ ہر رسول نے اسی وقت ہجرت کی ہے جب اللہ نے اسے ہجرت کرنے کا حکم دیا، یہ جاننے کے باوجود حضرت یونس اللہ کے اذن کے بغیر ہجرت کیسے کر سکتے تھے؟

ج۔ قرآن کریم میں دو جگہ قوم یونس کے ایمان لے آنے کا ذکر ہے سورۂ یونس میں اور سورۂ صافات میں اور کہیں بھی یہ مذکور نہیں کہ قوم یونس نے اولاً کفر و تکذیب کی روش اختیار کی تھی جیسا کہ اس داستان میں مذکور ہے، نہ قرآن میں نہ حدیث صحیح میں نہ بائیبل میں۔

د۔ مالک کے پاس سے بھاگا ہوا غلام کشتی میں بیٹھ جائے اور وہ نہ چلے یہ نامعقول بات کیسے مان لی جائے؟[۴۵]‘‘

## حضرت سلیمان کی وفات

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی وفات کا کوئی پتا نہیں چلا تھا اور وہ جنوں کے ذریعے سے اپنے تعمیری کاموں کی نگرانی کر رہے تھے، تبھی ان پر موت طاری ہو گئی اور جنوں کو اس کا پتا اس وقت چلا جب ان کے عصا کو گھن نے کھا لیا اور وہ گر گئے۔ مصنف نے اس قصہ کا انکار کیا ہے۔ ان کی تحقیق یہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی موت طبعی طور پر ہوئی تھی۔ وہ بادشاہ تھے، یہ بالکل مستبعد ہے کہ عرصۂ دراز تک عصا کی ٹیک لگا کے وہ کھڑے رہے ہوں اور اس درمیان ان کے حرم اور ان کے دربار میں سے کسی کو پتا نہ چلے! مصنف کے نزدیک ’تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ‘ سے مراد سلیمان کا بیٹا رجعام ہے جو نالائق تھا اور اس کی نالائقی کے باعث سلیمانی سلطنت کا قصر دھڑام سے گر گیا۔[۴۶]

## صرفی و نحوی مباحث

تفسیر ’’مفتاح القرآن‘‘ کی ایک خصوصیت جس نے اس تفسیر کو ثقیل اور عام تعلیم یافتہ یا غیر عربی داں لوگوں کے لیے مشکل بنا دیا ہے، وہ صرفی و نحوی مباحث ہیں، جن کا مصنف نے بڑی باریک بینی اور جزرسی کے ساتھ اہتمام کیا ہے۔ اس کا خیال ان کو تھا اور اسی لیے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

---

۴۵؎ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر مفتاح القرآن، جلد چہارم، سورۂ صافات آخری رکوع: ’وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ‘ کی تشریح۔

۴۶؎ نیز وفات سلیمان علیہ السلام کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: علامہ میرٹھی کا مقالہ اشراق ڈیلس امریکہ جنوری ۲۰۲۴ء اور اس کا انگریزی ورژن فروری کے Ishraq میں شائع ہوا۔

''البتہ کہیں کہیں ضرورۃً اس میں کوئی فنی بات بھی آگئی ہے جیسے ترکیب یا لغوی و صرفی تحقیق۔ ظاہر ہے کہ وہ عربی داں حضرات ہی کے سمجھنے کی چیز ہے، غیر عربی داں حضرات مطالعہ میں اِس سے صرف نظر کر جائیں یا کسی عربی داں سے پوچھ کر سمجھ لیں''۔[47]

اصل میں متقدمین کی تفاسیر میں یہ چیز بالکل عام ہے اور سلف میں کم و بیش ہر مفسر اس کا اہتمام کرتا رہا ہے۔ خاص طور پر ابو حیان اندلسی نے اور زمخشری نے اس کا بہت اہتمام کیا ہے۔ سلف کی متابعت میں علامہ میرٹھی نے بھی پوری تفسیر میں اِس کا بہت زیادہ اہتمام کیا ہے، کیونکہ ان کے سامنے علما و طالبان علوم عربیت رہے ہیں۔ اور ان کے خیال میں قرآنی آیات کی صرفی تحقیق اور نحوی ترکیب صحیح فہم کے لیے نہایت ضروری ہیں۔ کتنے ہی مقامات ہیں جہاں صحیح ترکیب سمجھ میں نہ آنے سے لوگوں نے معنی کچھ کے کچھ بنا دیے ہیں۔ اس بارے میں علامہ کو زیادہ شکوہ صاحب تفہیم سے تھا، جو ان کے نزدیک عربیت کے اور صرف و نحو کے اغلاط سے بھری پڑی ہے۔ تاہم راقم کے خیال میں مولانا مودودی کا مخاطب طبقہ عصری طبقہ اور عوام تھے، جن کو ان دقیق مباحث سے کوئی سروکار نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ''تفہیم القرآن'' عام فہم ہے اور ''مفتاح القرآن'' اپنی ساری خوبیوں کے باوجود عصری طبقہ کے لیے مشکل بن گئی ہے۔ تاہم طالبان قرآن اور علما و محققین کے لیے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

تفسیر ''مفتاح القرآن'' سے ہم نے یہ کچھ مثالیں اور نمونے پیش کیے ہیں اور ہمیں احساس ہے کہ قارئین بوجھل ہو جائیں گے، اسی وجہ سے انھی مثالوں پر اکتفا کر رہے ہیں، ورنہ مصنف کے اجتہادات، تفسیری روایات کی تحقیقات اور نئے نئے معانی و مفاہیم کا ایک بڑا ذخیرہ ہے، جس سے یہ تفسیر مالا مال ہے۔ یہ چند مثالیں تو مشتے نمونہ از خروارے کی حیثیت سے نقل کر دی ہیں، ورنہ اس تفسیر میں ایسے صدہا مقامات ہیں جہاں مفسر گرامی نے متقدمین و متاخرین کی تفسیر کو قبول نہیں کیا اور اپنی الگ ہی تشریح پیش کی ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے نقل صحیح، نقد حدیث، درایت، عربیت کے اسلوب، نظم کلام اور قلب سلیم سے کام لیا ہے۔ تفسیر ''مفتاح القرآن'' کے اس سرسری سے مطالعہ سے صاحب تفسیر کی یہ بات مبرہن ہو کر سامنے آتی ہے کہ ''لیکن متقدمین و متاخرین کی اِن تمام قابل قدر و مستحق احترام مساعی کے باوجود یہ خیال کر لینا مناسب نہ ہو گا کہ قرآن کریم کے متعلق ترجمہ و تفسیر کا اردو یا عربی یا کسی بھی زبان میں اتنا کام ہو چکا ہے کہ اب ایک نیا ترجمہ یا ایک نئی تفسیر شائع

---

[47]۔ علامہ میرٹھی، تفسیر مفتاح القرآن ۱/۱۳۔

کر دینا وقت اور محنت کا صحیح مصرف نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جو کچھ ہوا ہے، وہ بہت کم اور ناکافی ہے۔ اس بارے میں مسلسل محنت کرنے اور کوشش کرنے اور کرتے رہنے کی ضرورت ہے''۔[48]

مقالہ نگار کے نزدیک اس تفسیر میں بعض کم زور پہلو بھی ہیں۔ مثال کے طور پر:

۱۔ تفسیر میں شروع کے حصوں میں بہت اطناب و تفصیل ہے، جو بعض اوقات قاری کو اکتاہٹ میں مبتلا کر دیتی ہے۔

۲۔ اکثر آیات کی نحوی و صرفی ترکیب کی گئی ہے، جو ظاہر ہے کہ صرف عربی داں حضرات کے کام کی ہی ہو سکتی ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہوتا کہ متن تفسیر کے بجائے حاشیہ لگا کر ان میں یہ کام کیا جاتا تا کہ عام قاری اپنا تسلسل برقرار رکھتا اور جس کو دل چسپی ہوتی، وہ حاشیے کو دیکھ لیتا۔

۳۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ مؤلف نے تفسیری روایات کی تحقیق و تنقیح میں بھی بہت اطناب و تفصیل سے کام لیا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن میں اہل بیت کون ہیں؟ اِس کی تفصیل میں انھوں نے ان تمام روایات پر کلام کیا ہے جو تفسیر و حدیث کی کتابوں میں مروی ہیں اور حضرات علی، فاطمہ و حسن و حسین کو بھی اہل بیت میں شامل کرتی ہیں۔[49]

راقم خاک سار کے نزدیک اس تفسیر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ صرف قرآن کو محور بناتی ہے۔ صحیح حدیث کو اس کی تشریح سمجھتی ہے، باقی چیزوں اور دوسرے علوم کو اس میں زبردستی نہیں گھسیڑا گیا ہے۔ اس میں نہ بہت زیادہ فقہی مباحث ہیں، نہ ہی وہ کلامی مباحث سے بوجھل ہے اور نہ اس میں بے جا صوفیانہ و عارفانہ نکتہ طرازی کی گئی ہے۔ نہ اس میں فلسفہ و منطق یا جدید سائنس کی معلومات بھر دی گئی ہیں، بلکہ مصنف نے قرآن سے جو سمجھا ہے، اسی کو لکھ دیا ہے۔ البتہ جو لکھا ہے، وہ خوب چھان پھٹک کر اور تحقیق و تفتیش کے بعد لکھا ہے۔ نیز اس کی زبان بڑی دل آویز، رواں، سادہ اور دل کش ہے۔

اس سرسری سے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہے کہ تفسیر ''مفتاح القرآن'' ایک جلیل القدر علمی تفسیر ہے، بلاشبہ اس میں ظاہر کی گئی بہت سی رایوں سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور اختلاف کرنا اہل علم کا حق ہے، مگر

---

۴۸؎ علامہ میرٹھی، تفسیر مفتاح القرآن ۱/۱۴۔

۴۹؎ ملاحظہ ہو: تفسیر مفتاح القرآن، چوتھی جلد، تفسیر آیۂ اہل البیت سورۂ احزاب اور راقم کا مقالہ ''قرآن میں اہل البیت سے کیا مراد ہے؟''، اشراق لاہور، جنوری/فروری ۲۰۲۴ء۔

یہ ضرور ہے کہ یہ تفسیر کتاب الٰہی کے بہت سے معانی سے پردہ اٹھاتی، بہت سے نئے مباحث اٹھاتی اور نئے نکات سجھاتی ہے۔ قرآن کے طالبوں کے لیے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ اور بلاشبہ اس تفسیر میں مصنف نے وہی سمجھانے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے جو آیات قرآن کا مطلب و معنی ہے۔ اور جو بات بھی لکھی ہے، نہایت تحقیق اور شرح صدر کے ساتھ لکھی ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ''جلالین'' کے طرز پر لکھی تھی، یعنی پہلے ایک آیت ذکر کرتے، پھر اس کا ترجمہ اور تفسیر بھی ساتھ ساتھ کر دیتے۔ عصر حاضر کے مذاق علمی کو سامنے رکھتے ہوئے خاک سار مقالہ نگار نے اس کو نئے سرے سے ترتیب دیا ہے۔ اب اس میں یہ ترتیب اختیار کی گئی ہے کہ پہلے ایک رکوع متن قرآن کا دیا گیا، اس کے بعد اس کا ترجمہ پھر متعلقہ آیات کی تفسیر کی گئی ہے۔ فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز نئی دہلی کوشش کر رہا ہے کہ کتاب عزیز کی اس جلیل القدر تفسیر کو جلد از جلد منظر عام پر لائے تاکہ قرآنی مطالعات و تحقیقات کا ایک نیا باب روشن ہو اور طالبان قرآن ایک نئی روشنی میں اپنا سفر طے کریں۔

---